مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلامی تہذیب اور مثالی وحدت

جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقاصد شریفانہ تعلیمات اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم (باقی) نہیں رہ سکتے جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی امت) نہ ہو، جو اس دعوت و تحریک کی علمبردار اور اس کے راستہ میں جدوجہد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام (چہ جائیکہ مصلحین و معلمین اخلاق اور حکمائے کبار) کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی۔ اس راستہ میں جان نثاری کرتی اور اپنی زندگی اپنے تمدن اور حکومت و معاشرت کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی جس کی سطح ایک ہوتی ہے اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئے جن کا کوئی نگراں و نگہبان نہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں۔ اور آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا۔ گو بعثت محمدیہ دوہری بعثت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی تعریف کی ہے جو نبوت کے بغیر کسی مبعوث اور مامور من اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

"تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔" (آل عمران)

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں

تم پر" (البقرہ)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضہ کی ایک جماعت سے فرمایا۔

"تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے" (صحیح بخاری)

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت و مسئولیت کا شعور احساس صحابہ کرام رضہ و تابعین عظام کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سیدنا ربعی بن عامر رضہ سے جنہیں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضہ نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا یہ پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؛ تو انہوں نے یہ مومنانہ اور داعیانہ جواب دیا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے بچا کر اسلام کے سایہ عدل میں لائیں" (البدایہ والنہایہ)

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بے حد متاثر کیا اور وہ لوگوں کے لیے مذاہب و تحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اس لیے چھٹی صدی مسیحی کی عالمی صورت حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

"سب اہل کتاب یکساں نہیں (انہیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔ اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں" (آل عمران)

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال و اخلاق اور عبادات میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں اور تمدن و معاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ خیر و صلاح، اسوہ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرہ کی سطح کا نہ ہو جو بلند ترین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات، شریفانہ اصول و اخلاق اور مثالی انفرادی و اجتماعی عمل کی نمائندگی، حکومت و سیاست، تجارت و معاملت انفرادی و اجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے ساتھ برتاؤ اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات، رضامندی و ناراضگی، صلح و جنگ، فقر و غنا، ہر حالت اور ہر صورت

میں کرتا ہوا اور اس امت و جماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔ صحابہ کرامؓ اور وہ مبارک لوگ جنہوں نے گہوارہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش اور مدرسہ ایمان و قرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات و خصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عالم سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے اور ان کی نمایاں و مشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے، جرمن فاضل کائتانی اپنی کتاب "وشنین اسلام" میں لکھتا ہے۔

"یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچا دیا تھا، جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی۔ جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے محافظ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہا، اور محدثین کو جنم دیا۔"

امت اسلامیہ میں عالمی نگرانی، اخلاق و رجحانات، انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کے احتساب، انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف و نہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جوابدہ بنایا گیا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔" (المائدہ)

اور اس امت کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انسانیت مصیبت و مشکل میں پھنس سکتی ہے اور روئے زمین پر فتنہ و فساد اور انارکی پھیل سکتی ہے، چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا، اور اس کی تعداد چند سو سے زائد نہ تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے

دعوت وعقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا" (الانفال)

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب نہیں جس سے معمورہ عالم آباد ہے، اور جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے۔ جب وہ اپنے قائدانہ اور داعیانہ منصب و مقام کو خالی چھوڑ دے گی اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور رجحانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت وسرزنش) سے منہ موڑ لے گی تو دنیا پہ اس بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس کے داعیانہ قائدانہ مقام اصلاح کی ذمہ داری اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مسولیت کی یاد گذشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور و احساس کو بیدار کرتے ہوئے دلاتا ہے۔

"پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے باشعور لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا اور جو لوگ (اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے۔" (ہود)

شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشاندہی کی ہے، جو مسلمانوں کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے، چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے۔

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

اس نقطہ نظر سے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سر نو جائزہ لیا جاتا رہے اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد و مہلک رجحانات سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔

اس کے خاص طور پر دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اقوام عالم صلاح و فساد کے لیے اور متضاد عناصر کے تابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہیں اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے اور اس کا کارواں کہیں اور کبھی ٹھہرتا نہیں۔

اس لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت و رفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی، مفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آ کر ملت اسلامیہ عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہو کر گویا اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے، اس لیے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہیے اور قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد و اخلاق اور انفرادی و بین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنی چاہیے، اس لیے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں بلکہ جہد مسلسل، دائمی سرگرمی مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کے لیے آمادگی، جدت و ندرت اور اپنی تازہ کار قوت افادیت و صلاحیت کے بل پر زندہ تابندہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب و مقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے، اس لیے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضرورت ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

وہ عالمی وحدت جس کی وسعت، گہرائی اور پائداری کی مثال تاریخ نے انسانی تہذیبوں اور معاشروں میں نہیں دیکھی، وہ وحدت عقیدہ کی بنیاد پر قائم تھی، اور اب بھی قائم ہے اور وہ عقیدہ توحید، نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) حیات بعد الموت پر ایمان کا نام ہے، جس میں بظاہر کائنات اور قدرت الٰہی کے مشاہدہ اور توجیہ میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور اشیاء کی ماہیت اور ان کی قدر و قیمت، اللہ پر ایمان، مقصد تخلیق و تکوین اور زندگی کے بے ثباتی اور ان اقدار پر یقین سے متعین ہوتی ہے جو اسلام نے قائم کئے ہیں اور جنہیں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی زندگی، اور صدر اول کے مسلمانوں نے اپنی استطاعت و صلاحیت کے اس فرق کے ساتھ (جو زمانہ، ماحول، تربیت اور خارجی اثرات کا فطرتی نتیجہ ہے) پیش کیا جاتا ہے، لیکن وہ وحدت تمام اسلامی معاشروں میں اور اسلام کے ظہور کے بعد تمام زمانوں میں قدر مشترک رہی ہے، اور ایک امت اور ایک مذہب کے متبعین کے درمیان تمام مشترک عناصر سے زیادہ واضح، زیادہ ممتاز اور زیادہ گہرائی رکھتی ہے۔

اس کے بعد اسلام کی تہذیبی وحدت ہے جو بڑی حد تک احکام شرعیہ اور اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر (معیار دل اور ان پر عمل کی نوعیت کے اختلاف کے باوجود) قائم ہے، اس اختلاف سے مفر نہیں جو اسلام لانے والی قوموں، ملکوں، زبانوں، اور حکومتوں کے اختلاف کا نتیجہ ہے، مگر یہ تہذیب اسلام کی مخصوص چھاپ رکھتی ہے اور عقیدہ میں توحید، معاشرت میں احترام انسانیت و مساوات اور اخلاق اور طرز عمل کے معاملہ میں (دوسری تہذیبوں کے مقابلہ

میں خوف خدا اور حیاء، تواضع رکھتی ہے، اسی طرح عمل کے میدان میں سعی آخرت اور اللہ کے لیے جہاد، میدان جنگ میں (دوسری معاصر مادی تہذیبوں کے بالمقابل) رحمت و مروت اور انفرادی خانگی زندگی میں "طہارت" کی ممتاز علامت رکھتی ہے اور جو اس نظامت و صفائی سے بلند تر اور الگ حقیقت ہے جو ترقی یافتہ اور صالح تہذیبوں میں مشترک ہے، اسی طرح جانوروں اور پرندوں کے گوشت کو پاک کرنے کے لیے وہ ذبح و قربانی کا طریقہ اپناتی ہے

وحدت کی ممتاز علامتیں :-

مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے نام ان کے دور دراز فاصلوں پر واقع ہونے اور لسانی و تہذیبی اختلافات کے باوجود اوروں سے ممتاز اور اکثر عربی اور انبیاء و صحابہؓ واہل بیتؓ اور سلف صالحین کے ناموں سے ماخوذ ہوتے ہیں اور ان میں عقیدہ توحید اور خدا کے لیے حمد و عبدیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور عقیدت و محبت کی علامت کے طور پر "محمد و احمد" نام بکثرت رکھے جاتے ہیں۔

باہمی ملاقات میں السلام علیکم کہنے کا بھی عام رواج ہے، بہت سے قرآنی الفاظ اور آیات الحمد للہ، ماشاء، انشاء اللہ، انا للہ و انا الیہ راجعون اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ مختلف مواقع اور ضرورتوں پر ورد زبان رہتی ہیں۔

یہ دینی وہ تہذیبی وحدت، فرائض وواجبات مذہبی شعائر، اجتماعی تقریبات کے موقع پر زیادہ ابھر کر سامنے آتی ہے، چنانچہ پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر (مختلف ملکوں کے اوقات کو سامنے رکھتے ہوئے) متعین رکعتوں کے ساتھ زیادہ تر مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی اور کہیں کا رہنے والا اور کوئی زبان بولنے والا مسلمان شریک ہو سکتا ہے اور بغیر کسی مقامی تعلیم و رہنمائی کی مدد کے نمازیوں کی طلب پر امامت بھی کر سکتا ہے، قرآن مجید وہ تنہا آسمانی کتاب ہے، جو تمام ملکوں اور زمانوں میں تجوید و ترتیل سے پڑھی اور حفظ کی جاتی رہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں لکھا ہے۔

"قرآن روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے"

اس طرح اذان تمام مسجدوں سے یکساں الفاظ میں دی جاتی ہے، ماہ رمضان تمام عالم اسلام میں (موسموں کے اختلاف کے باوجود) روزوں کا مہینہ ہے مسلمان دو عیدیں (عید الفطر و عید الضحیٰ) مناتے ہیں اور اللہ کے شکرانے کے طور پر دوگانہ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد خطبہ میں اپنے فرق و مراتب کے باوجود سبھی مسلمان شریک ہوتے ہیں، اسی طرح حج کے لیے سب لوگ دور دراز مقامات سے مکہ معظمہ کا قصد کرتے ہیں اور یہ سب اسلام کی طویل تاریخ میں بغیر انقطاع اور سیاسی انقلاب اور اجتماعی و اقتصادی تغیرات کے باوجود ہوتا رہتا ہے، یہی ایسی وحدت کا نمونہ پیش کرتا ہے، جس کی اقوام و ملل اور مختلف معاشروں میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس منفرد وحدت کو متعدد مغربی فضلاء اور اصحاب فکر و اہل قلم نے محسوس کیا اور اسے سراہا ہے، ہم یہاں صرف چند شہادتوں پہ اکتفا کرتے ہیں۔ ہملٹن گلب لکھتا ہے۔

"اسلام ایک تصویر ہے، جو ایک مربوط لیکن مختلف سیاسی معاشرتی اور مذہبی اجتماعیت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور اس نے مختلف خطوں اور ادوار میں، مقامی، جغرافیائی، سماجی اور سیاسی قوتوں سے اثر پذیر ہو کر مختلف خصوصیات کا اظہار کیا ہے، مثال کے طور پر شمال مغربی افریقہ اور عہد وسطی کے اسپین کا مغربی ایشیا میں اسلام کے مرکز سے گہرا تعلق تھا، ان کی تہذیب اسی مرکزی تہذیب کی ایک شاخ تھی، لیکن انہوں نے کئی امتیازی خصوصیات پیدا کیں۔ جنہوں نے مغربی ایشیا پر بھی اثر ڈالا، دوسرے بڑے اور خود کفیل خطوں مثلاً تحتی بر اعظم ہند اور انڈونیشیا اور جنوبی روس کے صحرائی علاقوں سے لے کر چین کی سرحدوں تک متوازی عوامل نے اسی طرح امتیازی خصوصیات پیدا کیں، لیکن ان سب نے اور ان میں سے ہر ایک نے آسانی سے قابل شناخت اسلامی رنگ برقرار رکھا ہے"

ولفرڈ کانٹویل اسمتھ لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کی کامیابی ان کے مذہب کی داخلی کامیابی ہے، وہ صرف میدان جنگ میں فاتح نہیں ہوئے اور انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں پر ہی اثر نہیں ڈالا بلکہ مقابلتاً مختصر عرصہ میں انہوں نے زندگی کو ایک ایسی مجموعی شکل دینے میں کامیابی حاصل کی جسے تمدن کہتے ہیں، اسلامی تہذیب کی تشکیل میں مختلف عوام جیسے عرب، یونان، شرق اوسط کی سامی تہذیب، ساسانی ایران اور ہندوستانی عناصر نے حصہ لیا، مسلمانوں کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ان سب عناصر کو ایک ہم جنس طریقہ زندگی میں متحد کر دیا اور اسے باقی رکھنے کی قوت فراہم کی، زندگی کے ہر رخ کو اس نے اسلامی شکل دی خواہ اس کے ترکیبی عناصر کی ماہیت کچھ بھی رہی ہو"

اسلامی طرز زندگی نے معاشرہ کو وحدت و قوت عطا کی، متحد رکھنے والی اس وقت میں مذہبی قانون کو مرکزی مقام حاصل تھا جس نے اپنے طاقتور اور متعین دھارے کے ذریعہ رسوم و عبادات سے لے کر ملکیت تک ہر چیز کو منضبط کر دیا، شرعی قانون نے اسلامی معاشرہ کو قرطبہ سے ملتان تک وحدت عطا کی اس نے مسلم افراد کو بھی وحدت عطا کی اور اس کی زندگی کے سبھی اعمال کو ملکوتی رنگ دے کر بامعنی بنا دیا۔ معاشرہ کو تسلسل دے کر اس نے زمانہ کو بھی وحدت بخشی، سلاطین کا سلسلہ آتا اور جاتا رہا، لیکن ان کی حیثیت ربانی احکام کے مطابق کرہ ارضی پر عمرانی زندگی کی تشکیل کی مسلسل کوشش میں محض ضمنی رہی۔

اسلامی تہذیب، ایسی تہذیب ہے جس کا ضمیر و خمیر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین ایمان ہے، وہ خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگی ہوئی ہے اور ایمان واذان کی بنیادوں پہ قائم ہے، اس لیے اس کو دینی رنگ

اور ربانی آہنگ اور ایمانی روح سے الگ کرنا ممکن نہیں اور اس پر جب بھی قومی عصبیت، جاہلی حمیت، نسلی کشمکش، مادی ہوس، اخلاقی زوال یا معاشرتی انارکی طاری ہوئی ہے، تو وہ عارضی طور پر یا خارجی اثرات یا اس ماحول و معاشرہ کی دین ہی ہے، جس سے کوئی اسلامی عنصر نکلا ہے، یا اس میں اسلامی ثقافت سے عدم تاثر و استفادہ اور قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے اولین و اساسی مصادر سے عدم اشتغال کو دخل رہا ہے۔

اسی لیے مسلم اقوام و ممالک کی تاریخ میں اصلاحی و تجدیدی، فساد و بدعات اور جاہلی اثرات کے خلاف جدوجہد کا ایسا تسلسل رہا ہے جس کی غیر اسلامی اقوام و مذہب میں کوئی مثال نہیں ملتی، اسی طرح ان مبارک کوششوں کو ایسی کامیابی بھی ملی جو دوسری اقوام و مذاہب کی تاریخ میں ناپید ہے، اور ایسا اس لیے ممکن ہو سکا کہ یہ کوششیں اس امت کے جوہر ذاتی، اس کی روح اور اس کے ذہن و نفسیات سے مطابقت رکھتی تھیں، اور وہ انہیں اصول و مبادی سے عبارت تھیں جن پر اس امت کا وجود قائم تھا اور جہاں سے اس کا تاریخی سفر شروع ہوا تھا۔

اسلام کی تہذیبی عطا اور انسانی تہذیب پر اس کے احسانات کی شرح اور قافلہ انسانیت کو زوال و خودکشی سے بچانے اور اسے فروغ و ترقی عطا کرنے کے سلسلہ میں اسلام کی عظیم خدمات کے ذکر کے بعد ایک ابدی و تاریخی حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انسانی تہذیب میں تاثیری عمل، اور اس کا وقتاً فوقتاً ازسرنو جائزہ لیتے رہنے اور اسے "قدیم صالح وجدید نافع" کا امتزاج عطا کرنے اور اسے تخریبی و مہلک عناصر اور فاسد و مفسد رجحانات سے بچانے کا عمل مستقل اور مسلسل طور پر انجام دیا جانا چاہیے۔

دوسری عالمی و تاریخی حقیقت یہ ہے کہ امت اسلامی، انسانی تہذیب پر اس حالت میں اثر انداز نہیں ہو سکتی کہ وہ خود دوسری تہذیبوں کے دسترخوان کی ریزہ چین ہو، اور ان کے سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہو اور ان کے اثرات میں گلے گلے ڈوبی ہوئی ہو، وہ اس صورت حال میں تو اوروں کو متوجہ بھی نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ وہ دوسری قوموں کو اپنی تقلید پر آمادہ کر سکے، ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے، جب وہ پوری طرح اس بات پر ایمان رکھتی ہو کہ اس کی تہذیب و ثقافت مستقل بالذات ہے اور ربانی و آسمانی خصوصیات رکھتی ہے، ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے مناسب و مفید ہے، مضبوط بنیادوں پر قائم اور کتاب و سنت سے ماخوذ اور ربانی ہدایات اور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اور اس میں عفت و طہارت کا ایک خاص تصور ہے، کیونکہ اس کی "طہارت" صرف "نظافت" کے مترادف نہیں اور نہ اس کے یہاں "عفت" کا مفہوم اخلاقی غلطیوں سے اجتناب تک محدود ہے، بلکہ اس کے وسیع معانی اور دور رس اور ہمہ گیر مفاہیم ہیں، اسلامی زندگی مغربی تہذیب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، جس کی نشوونما مخصوص تاریخی عوامل کے زیر اثر اور ایسے ماحول میں ہوتی ہے، جس پر مادیت کا غلبہ تھا اور ایک طویل عرصہ تک اس پر مذہب دشمنی اور اخلاق و صالح اقدار سے بغاوت کی حکمرانی

(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)